احمد بشیرؒ
ترجمہ: محمد عمر فاروق

من موھنا

میری ۱۹۵۱ء کی لائل پور (فیصل آباد) سے وابستہ یادیں ناقابل فراموش ہیں یہ اس وقت دوبارہ عود کر آئیں جب میں نے لاہور میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی سالانہ برسی کی ایک تقریب میں شرکت کی، میں روزنامہ امروز کے نوخیز رپورٹر کی حیثیت سے (اس وقت کی) معاصر سیاست کو سمجھتا تھا۔ اور نہ ہی اب سمجھتا ہوں جبکہ میں ایک کہنہ مشق لکھاری بن چکا ہوں۔ لیکن ۱۹۵۱ء میرا یقین و اعتقاد کا دور تھا اور میں پنجاب کے صوبائی انتخابات کے سلسلہ میں مجلس احرار کی ریلی کی رپورٹنگ کیلئے گیا تھا۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاری جنہیں پیار سے شاہ جی کہا جاتا ہے نے اپنے رضاکاروں سے خطاب کیا اور انہیں جو نصیحتیں کرنا چاہتے تھے کیں۔ شام کے وقت ہم سب میر عبد القیوم کی رہائش گاہ پر فرش پر بچھی ہوئی چٹائیوں پر کھانا کھانے کے لئے بیٹھے، آلو گوشت اور پلاؤ کے بعد حلوہ سے بھری ہوئی پلیٹیں آئیں اور میرے لئے یہ بات حیران کن تھی کہ جنہیں شاہ جی نے چھوا تک نہیں۔

جب انہوں نے اپنی حلوہ کی ڈش کو چھونے سے انکار کردیا تو میں نے کہا کیونکہ میں اس وقت نایختہ اور ناتجربہ کار رپورٹر تھا "شاہ جی! آپ سید ہیں، مولوی ہیں اور امیر شریعت ہیں اس کے باوجود آپ نے حلوہ سے انکار کیوں کیا ہے" انہوں نے آرام سے جواب دیا کہ "یہ درست ہے میں مولوی ہوں اور سید ہوں لیکن میں اب تمہیں امیر شریعت کا عہدہ تفویض کرتا ہوں، تو اب یہ حلوہ تم کھاؤ"

میں نے کہا "لیکن میں ایک پابند فرائض انسان نہیں ہوں میں بمشکل ہی کبھی نماز پڑھتا ہوں یا روزہ رکھتا ہوں۔ میں امیر شریعت کیسے ہوسکتا ہوں۔ جبکہ امیر شریعت ہر لحاظ سے شریعت کی ہمہ پہلو بالادستی کیلئے کام کرنے کا پابند ہے" شاہ جی کہنے لگے "میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم (BALSHEVIK) بالشیویک ہو"

میں نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا "نہیں شاہ جی! ہرگز نہیں میں اتنا بے نفس نہیں ہوسکتا اور نہ ہی اتنی قربانی کرسکتا ہوں" شاہ جی! نے کہا کہ سماجی نظام کی اصطلاح میں تم وہی چاہتے ہو جو ابوذر غفاری چاہتے تھے۔ اور تمہیں کلمہ پڑھنے پر بھی اعتراض نہیں"۔ "نہیں مجھے کوئی اعتراض نہیں" "اس کا مطلب ہے کہ کافر نہیں بلکہ مسلمان ہو۔ جسے اقرار باللسان کی سعادت نصیب ہے۔ اگر تم بالشیویک (BALSHEVIK) ہو تو مشرک نہیں ہوسکتے۔ جس کا ہم تمام مولوی اور سید شکار ہوسکتے ہیں "حلوہ اٹھاؤ اور میرے امیر شریعت بن جاؤ" میں نے اسے ہنسی سے ٹال دیا۔ اس دوران رضاکار کھانا کھاچکے تھے۔ لیکن ابھی کچھ کھانے میں مصروف تھے۔ بہت کچھ بچ گیا تھا۔ رضاکاروں نے پلیٹیں سمیٹنا شروع کردیں اب شاہ جی! نے زیر لب فرمایا کہ "تمام بچا کھچا ایک پلیٹ میں ڈال دو" جب یہ سب کچھ کیا جاچکا تو شاہ جی نے گرجدار آواز میں کہا کہ "تمام بچا کھچا لے آؤ میں اسے کھاؤں گا۔ میں ایک مولوی ہوں اور یہ نوجوان

بالشیویک (BALSHEVIK) اب امیر شریعت بننے کیلئے تیار نہیں۔ اس لئے میں یہ عہدہ اپنے پاس رکھتا ہوں تم ایک سید کے سامنے سے یہ پلیٹ اٹھانے کی جرأت کیسے کرسکتے ہو۔ جو ایک مولوی بھی ہے۔

ایک دن پھر دہلی دروازہ کے مقابل مجلس احرار کے مرکزی دفتر میں انہیں ملنے گیا یہ ایک سرد ترین رات تھی۔ شاہ جی رضائی میں لپٹے ہوئے ایک چٹائی پر براجمان تھے ان کے مرید اور جانثار تھوڑے فاصلے پر مؤدب بیٹھے تھے۔ جونہی شاہ جی کی نظر مجھ پر پڑی مجھے نزدیک آنے اور اپنے ایک طرف بیٹھنے کے لئے کہا۔ میں ہچکچایا کیونکہ میری جرابیں ناقابل برداشت بدبُو دے رہی تھیں۔ لیکن شاہ جی نے اصرار کیا تو بالآخر مجھے اپنا عذر بتانا پڑا شاہ جی نے جذبات سے مملو ہو کر فرمایا

"تم نوجوان ہو، اور پاکستان کا مستقبل ہو۔ کاش میں تمہارے پاؤں کے پسینہ میں سے اپنی داڑھی تر کرسکتا"

آپ کے مریدوں میں رواج تھا کہ وہ تو آپکی عزت کے طور پر آپ کے پاؤں چھوتے تھے۔ اب آپ نے ان سب کو اپنے پاؤں چھونے کے بجائے میرے پاؤں چھونے کا حکم دیا کہ میرا نصب العین معاشرتی انصاف، مساوات اور غیر طبقاتی معاشرہ تھا جو کہ ایک سامراج دشمن آزاد پاکستان میں امیر شریعت کا بھی مقصد حیات تھا۔

شاہ جی ایک عظیم رہنما تھے۔ انہوں نے جوانی کے عالم میں جلیانوالہ باغ کا قتل عام دیکھا تھا۔ اور تحریک خلافت میں سرگرمی سے حصہ لیا تھا۔ مولانا محمد علی جوہر، مولانا ابوالکلام آزاد اور حکیم اجمل خان اور بعد کے سالوں میں مولانا سید داؤد غزنوی، چودھری افضل حق، مولانا احمد علی لاہوری، مولانا ظفر علی خان اور مولانا سید انور شاہ کشمیری کے ساتھ مل کر کام کیا۔ مؤخر الذکر نے انہیں "امیر شریعت" کا خطاب دیا۔ جس کے بعد ہند کے پانچ سو علماء نے ان کی بیعت کی اور غازی علم الدین شہید نے شاہ جی سے ہی متاثر ہو کر رسوائے زمانہ کتاب "رنگیلا رسول" کے ناشر (راجپال) کو جہنم رسید کیا۔ لیکن یہ سب باتیں شاہ جی کے کارناموں کا مکمل احاطہ نہیں کرتیں۔

وہ شہنشاہ خطابت تھے۔ جن کے بارے میں ان کی زندگی میں ہی داستانیں وضع ہو گئیں تھیں۔ لیکن لوگوں کو (ان کے پاس جانے سے) ڈر نہیں لگتا تھا۔ ان کی تعریف میں دشمن بھی رطب اللسان تھے اس کے ساتھ ہی وہ انتہائی وجیہہ شخصیت تھے جو لوگوں سے آنکھیں ملا کر دیکھتے تھے۔ مجلس احرار نے قیام پاکستان سے قبل پاکستان کی مخالفت کی لیکن اب انہوں نے اسے دل و جان سے قبول کرلیا تھا اور اپنی شکست کا کھلم کھلا اعتراف کیا۔ لیکن اب مسلم لیگ کے ہاتھوں جو کچھ ہو رہا تھا اس کے بارے میں وہ متفکر تھے بھانت بھانت کی بولیاں بولی جارہی تھیں۔ کسی نے شاہ جی سے پوچھا "کیا ہوگا اگر بالشیویک (BALSHEVIK) اچانک حملہ کرکے پاکستان پر قبضہ کرلیں۔ کیا آپ کے خیال میں ایسا خطرہ موجود ہے تو شاہ جی نے مدبرانہ جواب دیا کہ

"سوہنیا! بالشیویک باہر سے نہیں آتے بلکہ گندے کپڑے اپنی جوئیں خود پیدا کرتے ہیں"

پھر ملتان میں شاہ جی سے ملاقات ہوئی وہ زندگی سے دستبردار ہو چکے تھے۔ تحریک تحفظ ختم نبوت (بظاہر) ناکام ہو چکی تھی۔ اور قوم نے پہلی مرتبہ مارشل لا کا مزہ چکھا۔

شاہ جی ایک بغلی گلی میں ایک کچے مکان میں رہتے تھے اور ایک چھوٹی سی مسجد میں نماز پڑھتے تھے۔ اخیر کے

دنوں میں بیٹھک میں زیادہ وقت ان سے باتیں کرنے میں صرف ہوتا تھا جو ان سے ملاقات کیلئے آتے تھے۔ وہ اپنے بیٹوں سے بھی نہایت محبت کرتے تھے۔ انہوں نے برطانیہ کی کسی بھی چیز کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ وقت بے طرح تبدیل ہو چکا تھا۔ انگریز جا چکے تھے دشمن بظاہر سامنے نہیں تھا۔ انہیں کوئی شرمندگی نہیں تھی۔ وہ اپنی ناکامیوں کے باوجود سر اٹھا کر چلنے والے آدمی تھے مگر زخم خوردہ تھے۔

میں بہادر ہوں مگر ہارے ہوئے لشکر میں ہوں

پھر میں کراچی منتقل ہو گیا اور ان کے ساتھ رابطہ نہ رہ سکا اس طرح کئی برس بیت گئے۔ پھر میں نے سنا کہ شاہ جی کو فالج ہو گیا ہے اور وہ بغیر علاج کے پڑے ہیں میں نے جنرل ایوب خان کو جو اس وقت حکمران تھے ایک سخت خط لکھا۔ (اور انہیں بتایا کہ وہ اگر ملک کے بادشاہ ہیں تو اس لئے کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری جیسے لوگوں نے انگریز کو ہندوستان سے نکلنے پر مجبور کر دیا تھا)

مجھے کسی اثر کی توقع نہ تھی۔ مگر دو ایک دنوں میں ہی صدر ایوب خان کی طرف سے مجھے ایک شائستہ خط ملا شاہ جی نشتر ہسپتال منتقل کر دیئے گئے ہیں۔ اور سرکاری خرچ پر ان کا اعلیٰ سطح پر مناسب علاج ہو رہا ہے[1]

میں جب وہاں گیا تو انہیں بستر مرگ پر دیکھا جب انہوں نے مجھے دیکھا تو ان کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ لیکن وہ بول نہیں سکتے تھے۔ چشم تصور سے دیکھئے کہ ایک ایسا آدمی جو پشاور سے مدراس تک سالہا سال تک گرجتا رہا۔ اور جسے طاقتور برطانوی سلطنت بھی خاموش نہ کر سکی۔ اب ایک لفظ تک ادا کرنے سے قاصر تھا۔ آنسو اس کے رخساروں سے ڈھلکے اور داڑھی میں گم ہو گئے۔ غالباً یہی وقت تھا جب اس نے اپنے آپ کو اتنا بے بس محسوس کیا۔

مجھے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا کروں میں نے احمقانہ باتیں شروع کر دیں مثلاً شاہ جی! ان شاء اللہ آپ بہت جلد ٹھیک ہو جائیں گے۔ شاہ جی ہمیں آپ سے بہت محبت ہے۔ شاہ جی میں ہمیشہ آپ کے بارے میں سوچتا رہتا ہوں وغیرہ۔ وہ اچانک پرسکون ہوئے اور منہ ہی منہ میں ایک لفظ کہا۔ جو مجھے سمجھ نہ آیا کچھ دیر بعد ایک لمحے کیلئے ان کی آنکھوں میں شرارت آمیز مسکراہٹ نمودار ہوئی ان کے فرزند (حضرت مولانا سید) عطاء المنعم (بخاری مدظلہ) جو ان کے ایک طرف بیٹھے تھے انہوں نے کہا کہ شاہ جی فرما رہے ہیں "جا جھوٹے" آپ میں سے جو لوگ مزاح کا ذوق رکھتے ہیں۔ وہ شاہ جی کے مزاح کا اعلیٰ ظرف کا لطف اٹھا سکتے ہیں۔ وہ ایسی شخصیت تھے جو موت کے منہ میں بھی مسکرا سکتے تھے۔ میں نے انہیں پھر کبھی نہیں دیکھا۔

جب میں شاہ جی کے بارے میں سوچتا ہوں تو سی، آئی، ڈی کے رپورٹر لدھا رام کو بھول نہیں سکتا جو آپ کی نگرانی پر مامور تھا۔ وہ شاہ جی کی تقریر کے نوٹس لیا کرتا تھا اور اس کی رپورٹ متعلقہ ایجنسی کو کارروائی کیلئے بھیجتا تھا سچی بات یہ ہے کہ میں اس واقعہ کے بارے میں زیادہ نہیں جانتا۔ اور مجھے متعلقہ تاریخیں بھی یاد نہیں ہیں لیکن میں جانتا ہوں کہ لدھا رام کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ نوٹس میں اس طرح تبدیلی کرے کہ حکومت شاہ جی پر بغاوت کا مقدمہ چلا سکے۔

---

[1] یہ صریحاً جھوٹ ہے شاہ جی نے سرکاری خرچ پر علاج کی پیشکش ٹھکرا دی تھی۔ البتہ جن غیر ملکی دواؤں کے فوری مہیا ہونے میں دشواری پیش آ رہی تھی انہیں شاہ جی کے دوستوں نے سرکاری ذرائع بطور سفارش استعمال کر کے خرید لیا۔